کلاسیکیت، جدیدیت اور معاصر اردو جامعاتی تحقیق

عابد حسین سیال
شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Abstract

Classicism, Modernism and Contemporary Urdu Research in Universities

Research, in different periods in literary history of Urdu, has different trends in its thematic and methodological aspects. Main areas of research in classical period were based on textual criticism and introducing or establishing important literary figures, schools and trends. Later, new trends in themes inclined to critical analysis, and methodology based on western trends emerged. Contemporary situation of Urdu research with regard to themes/topics as well as methodology is struggling to maintain its standards in higher education institutions of Pakistan. The article discusses some basic issues to be addressed.

تفویض کردہ سرنامے پر بات کرنے سے قبل ایک وضاحت ضروری ہے۔ تنقید کی معروف روایت میں کلاسیکیت جن اصطلاحی معنی میں استعمال ہوتا ہے اس کا مقابل رومانویت ہے اور جدیدیت جن معنی میں استعمال ہوتا ہے اس کے مقابل مابعد جدیدیت ہے۔ اس تناظر میں کلاسیکیت کی مقابل اصطلاح جدیدیت نہیں بنتی۔ تاہم عمومی معنی میں ادبیات کی تاریخ لکھتے ہوئے جب ادوار کا تعین کیا جاتا ہے تو قدیم دور کو کلاسیکی اور کسی خاص سنگِ میل کے بعد کے ادب کو جدید دور کہا جاتا ہے۔ زیرِ نظر تحریر میں بھی کلاسیکیت اور جدیدیت کے یہی معنی پیشِ نظر ہیں۔

موضوع کے تقاضوں پر بات کرنے کے لیے تین جہتیں منتخب کی گئی ہیں: ایک جہت تحقیقی موضوعات کی ہے، دوسری جہت نگرانِ تحقیق کے حوالے سے اور تیسری تحقیقی طریق کار کی۔ اور ظاہر ہے یہ دہرانے کی ضرورت نہیں کہ اس گفتگو کا تناظر اردو کے شعبے میں جامعات میں ہونے والی سندی تحقیق ہے۔

تحقیق کے کلاسیکی دور میں موضوعات زیادہ تر ایسے رہے جنھیں مجموعی طور پر تاریخ ادب مرتب کرنے کے چھوٹے چھوٹے پراجیکٹ کہا جا سکتا ہے۔ یعنی زیادہ تر یہ کاوشیں اہم ادبی شخصیات کے دور، ان کے کوائف اور ان سے منسوب متون کی تلاش و جستجو اور صحت و اصلاح کی سعی سے عبارت ہیں۔ اس دور میں موضوعات کا دوسرا اہم دائرہ

اردو زبان کے آغاز وارتقا سے متعلق حقائق کی جمع آوری اور استخراجِ نتائج پر مشتمل ہے۔ تحقیق کا سفر جب سندی تحقیق کے دور میں داخل ہوا تو اس میں شخصیات کے ساتھ ساتھ ادبی اصناف، دبستان، تحریکات، رجحانات وغیرہ کے تخصیصی مطالعات بھی شامل ہو گئے۔ جدید دور تک آتے آتے ان موضوعات میں اسالیب کے ایسے مطالعے بھی شامل ہوئے جن کی بنیاد مغرب سے درآمدہ افکار پر تھی۔ اس میں تکنیک اور فن کے دیگر پہلوؤں پر مباحث بھی شامل ہوئے۔ معاصر دور میں موضوعات کے انتخاب میں مذکورہ بالا تقریباً تمام پہلو سکالرز کے پیشِ نظر ہیں اور تدوینِ متن سے لے کر جدید ترین مغربی افکار کے مطالعے تک موضوعات میں شامل کیے جا رہے ہیں۔ لیکن موضوعات کا یہ ارتقا لازم نہیں کہ تحقیق کا بھی ارتقا ہو۔ وضاحت کے طور پر ایک واقعہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا، عنوان میں شاعر کا نام مصلحتاً نہیں لکھا گیا۔ اگلے دن ایک دوست کے بارے میں معلوم ہوا کہ ان کا ایم فل کا مجوزہ خاکہ منظور کر لیا گیا ہے۔ عنوان کا پوچھا تو بتایا گیا ''فلاں شاعر کی نظم کا متنی و تناظراتی مطالعہ''۔ میں بہت خوش ہوا کہ تنقید کے نئے تصورات کے تحت عملی تنقید کی جس کمیابی کا شکوہ کیا جاتا ہے، اس طرح کے مقالات سے اس کے کچھ ازالے کی صورت نکل سکے گی۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ ایسا کچھ نہیں۔ محقق موصوف دراصل ''فلاں شاعر، شخصیت و فن'' کے موضوع پر کام کرنا چاہتے تھے لیکن نگران صاحب نے فرمایا کہ اب شخصیت و فن پر مقالات کے موضوع کا منظور ہونا مشکل ہو گیا ہے۔ مقالات کے موضوعات جدید ہونے چاہئیں۔ آپ متنی و تناظراتی مطالعہ کا عنوان بنائیں، کام بیشک وہی کریں جو آپ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ صورت مذکورہ بالا تمام ادوار میں بھی رہی ہے اور اچھے اچھے موضوعات پر سطحی اور نہایت سطحی مقالات لکھے گئے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ نئے موضوعات کی تلاش محض نئے عنوانات تک ہی محدود نہ ہو بلکہ اس سے مراد تحقیق کے دائرے، منہاج یا جہت میں بھی جدت ہو۔ اچھے موضوع کے حصول کو رشید حسن خاں نے جب 'ٹیڑھی کھیر'(۱) اور ڈاکٹر عطش درانی نے نصف کام کی تکمیل (۲) قرار دیا تھا، تو پیشِ نظر یہی تھا کہ ایک نیا موضوع پورے تحقیقی عمل میں کچھ نہ کچھ نیا داخل کرنے کا باعث بنتا ہے۔

نگران کی بات کی جائے تو ہماری جامعات میں تخصّص (specialization) کی بات کرنا نااہلی کا مترادف ہو کر رہ گیا ہے۔ یعنی اگر کوئی نگران یہ کہے کہ میں صرف شاعری پر یا فکشن پر یا ترجمے پر کام کا نگران بن سکتا ہوں تو سمجھا یہ جاتا ہے کہ اس کا مطالعہ اور استعداد محدود ہے۔ مزید یہ کہ ایک سیشن میں اگر تحقیق کے چار پانچ طالب علم تھیسز کے مرحلے پر پہنچے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اس فیلڈ میں کام کرنے پر آمادہ نہیں جو آپ کا تخصّص ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی ایک جیب، آپ کے سی وی کا ایک خانہ اور آپ کی کتابوں کی الماری میں آپ کے تخصّص سے متعلق ایک دو نئی کتابوں کی جگہ، یہ سب خالی رہ گئے۔ کتاب کی حد تک تو سمجھوتا بھی کیا جا سکتا ہے لیکن جیب اور سی وی کا خانہ خالی رکھنا آپ کے دنیاوی درجات کی بلندی کی راہ میں حائل ہوگا۔ حل یہی ہے کہ نگران نہ صرف خود کو ہر فن مولا سمجھے بلکہ دوسروں کو بھی یہی باور کرائے۔ سو یہی ہو رہا ہے اور کارخانہ (۳) چل رہا ہے۔

تحقیقی طریق کار کے ضمن میں دیکھیں تو بالعموم ہمارا محقق سرنامہ تو تحقیقی مقالے یا تھیسز کا جماتا ہے لیکن

دراصل منتخبہ موضوع پر ایک کتاب لکھتا ہے۔ یہ کتاب موضوع سے متعلق کچھ عمومی یا کچھ خصوصی یا بعض کمیاب صورتوں میں کچھ نو دریافتہ معلومات پر بھی مشتمل ہوسکتی ہے لیکن اس کا ڈھانچا ایک طویل جواب مضمون جیسا ہوتا ہے جس میں کوئی بنیادی قضیہ، کوئی تصفیہ طلب مسئلہ یا منتخبہ موضوع پر موجود آرا سے کوئی بنیادی اختلافی بحث شاذ ہی ملتی ہے۔ ڈاکٹر عطش درانی کا کہنا ہے کہ ''ادبی محقق اپنے طریقِ تحقیق میں بے حد کمزور نظر آتا ہے.....اس کی پیمائشیں موضوعی اور کمزور ہوتی ہیں۔'' (۴) جامعاتی مقالات کی فہرستوں پر نظر دوڑائیں تو نصف سے زیادہ موضوعات ایسے ہیں جن کے آخر میں روایت یا ارتقا کا لاحقہ آتا ہے۔ اس طرح کے کتاب نما مقالات کو قدیم تذکروں کی جدید شکلیں کہا جاسکتا ہے جس میں زمانی ترتیب سے اہل قلم کے کوائف اور ان کی تحریروں پر نیم صحافتی انداز کے سرسری تبصرے درج کر دیے جاتے ہیں۔ جہاں جہاں موضوعات اور عنوانات میں کچھ نئے اشارے موجود ہیں، وہاں بھی صورت احوال ایسی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ بہت کم طالب علم اس امر سے آگاہ ہو پاتے ہیں کہ اگر عنوان میں کوئی لفظ یا مرکب بدل دیا جائے تو مجوزہ تحقیق کا زاویہ ہی بدل جاتا ہے جو ہر ذیلی حصے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ مثلاً 'روایت' کی جگہ 'ارتقا' کا لفظ آئے تو اس کے تقاضے بھی بدل جاتے ہیں۔ اسی طرح 'فنی جائزہ' اور ہے اور 'اسلوبی جائزہ' اور۔ عنوان میں الفاظ کی تبدیلی سے اکثر اوقات تحقیق کے مقاصد، تحقیقی مسئلہ، تحقیقی سوالات، ابواب بندی سب کچھ بدل جاتا ہے۔ اردو تحقیق کے طالب علم ان مراحل کی آگاہی کے ضمن میں انگریزی اور سائنسی مضامین کے طالب علموں سے پیچھے ہیں۔ اسی طرح علمی نثر یعنی اکیڈمک رائٹنگ کے بنیادی اصولوں سے بھی عموماً نابلد ہیں اور تلخیص، تجزیہ، موازنہ، محاکمہ اور عبارت نویسی کے مختلف حربوں سے کماحقہٗ واقفیت نہیں رکھتے۔ یہی کم علمی تحقیقی مقالے کے ایک نتیجہ خیز علمی دستاویز بننے کی راہ میں حائل ہے۔ ڈاکٹر نثار احمد قریشی کا شکوہ بے جا نہیں تھا کہ ''استثنائی مثالوں کو چھوڑ کر بیشتر تحقیقی مقالوں میں تحقیق کا انداز میکانکی ہے۔ اعداد و شمار اور حقائق کی جمع آوری کسی حد تک موجود ہے مگر حقائق کی بازیافت، استخراجِ نتائج اور علم و آگہی کے حوالے سے یہ کاوشیں تحقیق کا عمدہ نمونہ پیش نہیں کرسکیں۔'' (۵) لہٰذا علمی نثر نویسی اور تحقیقی طریق کار کے ضمن میں مفصل اور منضبط تربیت کی ضرورت ہے۔ اصولِ تحقیق کا کورس پڑھا دینے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا جب تک کہ اسے علم کے ساتھ ساتھ ایک مہارت سمجھ کر باقاعدہ عملی طور پر سیکھا نہ جائے۔ اس کا مؤثر طریقہ سیمینار کورسز اور متنوع عملی سرگرمیوں پر مشتمل ورکشاپس ہیں۔

آخری بات کچھ کمیتی تحقیق (Quantitative Research) کے بارے میں۔ اردو زبان و ادب میں کمیتی تحقیق نہ ہونے کے برابر ہے۔ جس طرح ایک زمانے میں ترجمے کو ایک کم تر سرگرمی سمجھا جاتا تھا، ویسا ہی کچھ رویہ اس کے بارے میں بھی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اردو زبان اور ادب کے حوالے سے بنیادی نوعیت کا ڈیٹا ہی نہ ہونے کے برابر ہے۔ میڈیا میں خبریں آتی رہتی ہیں کہ تحقیق سے پتا چلا ہے کہ سگریٹ پینے والوں کو دل کا دورہ زیادہ پڑتا ہے، یا حکومتی بیان ہے کہ پانچ لاکھ بچے سکولوں سے باہر ہیں وغیرہ۔ لیکن کبھی اردو زبان یا ادب کے حوالے سے کچھ ایسا سامنے آیا ہے کہ پاکستان میں اس خواندہ طبقے کا کتنے فیصد حصہ اردو کی ادبی کتابوں میں دلچسپی رکھتا ہے۔ یا

اردو میں انگریزی الفاظ کی دراندازی پر کتنے فیصد لوگوں کی رائے کیا ہے، وغیرہ۔ یا اس سے بھی بنیادی سطح پر اردو زبان کی مبادیات کا ڈیٹا بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ یعنی ایسا ڈیٹا جو بنیادی درسی کتابوں کی حد تک عام ہونا چاہیے۔ مثلاً اردو حروف تہجی کی تعداد، اردو کے مصوتوں اور مصمتوں کی تعداد پر کوئی متفق علیہ رائے، املائی علامتوں کی بالوضاحت تفصیل عام دستیاب نہیں۔ علمی اختلافات اور فروعی مسائل اپنی جگہ کہ وہ موجود ہیں اور رہیں گے لیکن طالب علموں کے لیے تو ایسی چیزیں فراوانی سے دستیاب ہونی چاہئیں۔ تحقیق کا یہ منہاج، یعنی کمیتی تحقیق، وہ بنیادی اور قابلِ بھروسا معلومات یعنی ڈیٹا فراہم کرتا ہے جس پر آئندہ پالیسی سازی کی جاسکتی ہے۔ یہاں پالیسی سازی سے مراد سرکاری پالیسی سازی لینا تو ایک خوش فہمی ہی ہوسکتی ہے، میری مراد جامعات میں آئندہ اردو تحقیق کے نئے موضوعات کی تلاش وتفویض سے متعلق پالیسی سازی سے ہے۔ یہاں ہمیں اس فرق کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ تنقید اور تحقیق دونوں کا آغاز مفروضے یا تھیورائزیشن سے ہوتا ہے، لیکن اس کے بعد کے مباحث کے لیے تنقید کا سروکار اگر مختلف افکار ونظریات اور علوم وتصورات سے بھی رہے تو نتیجہ خیز ہوسکتا ہے لیکن تحقیق کے لیے جب تک ڈیٹا ٹھوس حقائق کی شکل میں موجود نہ ہو، نتائج قیاسی ہی رہیں گے، جو زیادہ تر ہو رہا ہے۔ سو ہمارے محقق کو زیادہ نہیں تو تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی، کرسیِ تحقیق (Desk Research) سے اُٹھ کر میدانِ تحقیق (Field Research) کی طرف بھی خرام کرنا ہوگا کیونکہ وہ جو شاعر شیر مردوں سے ''بیشۂ تحقیق'' کے تہی ہونے کا ذکر کیا تھا تو 'بیشہ' (میدان) سے کنایہ Field لینا بیان کی گئی صورت حال میں کچھ ایسا غلط بھی نہ ہوگا۔

حواشی:

۱۔ گیان چند، تحقیق کا فن، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۲)، ص: ۱۷

۲۔ عطش درانی، ڈاکٹر، جدید رسمیاتِ تحقیق، (لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۵ء)، ص: ۸۷

۳۔ خاں، رشید حسن، ادبی تحقیق مسائل و تجزیہ، (علی گڑھ: یونیورسل بک ہاؤس، ۱۹۷۸ء)، ص ۵۷

۴۔ عطش درانی، ڈاکٹر، ادبی تحقیق کا مستقبل، اخبارِ اردو، ۲۰۰۹ء، ص: ۳

۵۔ نثار قریشی، ڈاکٹر، اردو زبان و ادب کے تحقیق طلب میدان مشمولہ اردو تحقیق، منتخب مقالات، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۳ء)، ص: ۲۴

مآخذ:

۱۔ خاں، رشید حسن، ادبی تحقیق مسائل و تجزیہ، علی گڑھ، یونیورسل بک ہاؤس، ۱۹۷۸ء
۲۔ عطش درانی، ڈاکٹر، جدید رسمیاتِ تحقیق، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۵ء
۳۔ عطش درانی، ڈاکٹر، ادبی تحقیق کا مستقبل، اخبارِ اردو، ۲۰۰۹
۴۔ گیان چند، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۲
۵۔ نثار قریشی، ڈاکٹر، اردو زبان و ادب کے تحقیق طلب میدان مشمولہ اردو تحقیق، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۳

☆☆☆